Al-Qawārīr - Vol: 06, Issue: 04,
Jul – Sep 2025

OPEN ACCESS
Al-Qawārīr
pISSN: 2709-4561
eISSN: 2709-457X
Journal.al-qawarir.com

خواتین کا معاشی استحکام: اسلامی تعلیمات اور سماجی حقائق کا عصری تناظر میں تحقیقی مطالعہ

Women's Economic Stability: A Research Study on Islamic Teachings and Social Realities in Contemporary Perspective

Dr. Humera Naz
*Assistant Professor, Department of Islamic Studies,
Minhaj University, Lahore, Pakistan.*
Muhammad Abubakar
Lecturer, Minhaj College for Women, Lahore, Pakistan.

ABSTRACT

The economic empowerment of women has become one of the most critical aspects of developmental discourse in the contemporary era. Women, being integral members of society, contribute significantly to strengthening economic structures at both individual and collective levels. This study examines women's economic stability through the lens of Islamic teachings, Pakistani socio-cultural realities, and global developmental measures. Islam, centuries ago, granted women unparalleled rights such as inheritance, independent financial ownership, and the freedom to participate in economic activities within the bounds of modesty. Historical examples, such as the entrepreneurial role of Khadījah al-Kubrā (RA), reflect how women have effectively contributed to family and societal well-being. In Pakistan, despite remarkable progress in education and professional participation, women still face significant challenges including cultural barriers, workplace discrimination, and limited access to resources. The study also explores modern opportunities such as digital platforms, microfinance, and inclusive labor markets that can ensure women's sustainable economic growth. It argues that true empowerment must align with Islamic values, ethical norms, and contemporary socio-economic needs. Women's economic stability is not merely a matter of personal independence but a prerequisite for societal prosperity, national development, and long-term stability. This research highlights both achievements and shortcomings in current measures while offering practical recommendations for enabling women to achieve meaningful empowerment without compromising religious and moral principles. Ultimately, the study emphasizes that empowering women economically is both a social necessity and a moral responsibility rooted in Islamic guidance.

Keywords: *Women, Economic Stability, Empowerment, Islam, Society, Development*

تعارف موضوع

معاشرے کی ہمہ جہت ترقی میں خواتین کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ انسانی معاشرت کا توازن اسی وقت ممکن ہے جب عورت کو اُس کے جائز مقام اور کردار کی اہمیت کے ساتھ تسلیم کیا جائے۔ اسلام نے صدیوں قبل عورت کو وہ بنیادی حقوق عطا کیے جو اُس وقت دنیا کی کسی اور تہذیب میں موجود نہ تھے۔ قرآن کریم نے وراثت میں حصہ، نکاح و طلاق میں رائے کی شمولیت اور کسبِ معاش کا حق عطا کیا۔ عہدِ نبوی ﷺ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی تجارتی بصیرت اور دیگر صحابیاتؓ کی معاشرتی شراکت خواتین کی معاشی شمولیت کی روشن مثالیں ہیں۔ عصرِ حاضر میں جب معاشی چیلنجز اور عالمی مسابقت نے زندگی کو نئے رخ دیے ہیں تو خواتین کے لیے تعلیم، ہنر، کاروبار، ڈیجیٹل مواقع اور ملازمتوں میں حصہ لینا ناگزیر ہے۔ پاکستان جیسے معاشروں میں جہاں ایک طرف خواتین تعلیمی میدان میں آگے بڑھ رہی ہیں، وہیں دوسری طرف سماجی رکاوٹیں، صنفی امتیاز اور وسائل تک محدود رسائی اُن کی ترقی کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہیں۔ اس تحقیقی مطالعے میں خواتین کے معاشی استحکام کو اسلامی تعلیمات اور موجودہ معاشرتی حقائق کی روشنی میں جانچا گیا ہے تاکہ یہ واضح کیا جا سکے کہ خواتین کا معاشی استحکام نہ صرف انفرادی خود کفالت بلکہ اجتماعی خوشحالی اور قومی ترقی کی ضمانت بھی ہے۔

مبحث اوّل: پاکستان میں خواتین کا معاشی استحکام

کیا پاکستانی عورت اپنے حقوق حاصل کرنے میں کامیاب ہے۔ اس بات کا جائزہ لینے کے لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے ارد گرد کیا ہو رہا ہے۔[1]

لڑکیوں میں تعلیم حاصل کرنے کا رجحان میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اور مختلف وجوہ مثلاً شوق، وقت گزاری، ضرورت، مجبوری کے سبب ملازمت کرنے کے رجحان میں اضافہ ہو رہا ہے۔

بڑھتے ہوئے معاشی مسائل، ضروریات زندگی بشمول بچوں کی تعلیم کی مہنگائی کے سبب بہت سارے خاندان "ہر فرد کمائے" کے اصول پر منظم ہوتے جا رہے ہے۔

1. معاشی مسائل اور خاندانی نظام کی تبدیلی

عورتوں کے معاشی حقوق یعنی ملکیت، جائیداد، وراثت وغیرہ عملاً رویہ عمل نہیں ہیں لہٰذا عورتوں میں غربت اور بے بسی کا احساس نشوونما پا رہا ہے۔ زمینوں کی ملکیت کے بارے میں 1995ء کے سروے کے مطابق خواتین کی زمین کی ملکیت ایک ہزار میں سے 36 ہے جس کا مطلب ہے زمین کے ہزار مالکان میں خواتین صرف 36 ہیں ان میں سے بھی صرف ایک چوتھائی خواتین ہی گھر کے مردوں کی اجازت کے بغیر اپنی مرضی سے زمین کی خرید و فروخت کا حق یا اہلیت رکھتی ہیں۔ وراثت میں کچھ نہ کچھ حصہ پانے والی خواتین کی تعداد 33 فیصد کے لگ بھگ ہے۔

بتدریج ہمارا نظام کفالت تحلیل ہوتا جا رہا ہے۔ بھائی اپنی بہنوں، بیٹے اپنی ماؤں اور شوہر اپنی بیویوں کی کفالت سے ہاتھ اٹھاتے جا رہے ہیں اس سلسلے میں زیادہ خراب صورت حال ان لڑکیوں کی ہے جو شادی نہ ہونے کے سبب بھائیوں یا ریٹائرڈ باپ کے در پر ہیں اور اپنا بوجھ اٹھانا ان کی مجبوری ہے۔

معذور، نشہ باز یا نکمے مردوں کی زیر کفالت خاندان کی عورتیں جن کے کفیل نہیں۔ اپنی ضرورت کے لیے مختلف نوکریاں یا کام کر رہی ہے۔

مشترکہ خاندانی نظام تقریباً ختم ہو رہا ہے چنانچہ کفالت کا جو سلسلہ اسلام ہمیں دیتا ہے اس کا تذکرہ ہی نہیں۔ جہاں کفالت کا نظام باقی ہے وہاں بھی تنہا کفیل نظام چل رہا ہے اس کے ساتھ ہونے والا کوئی بھی حادثہ گھر کی خاتون یا خواتین کو میدان میں لے آتا ہے۔

2. نظام کفالت کا زوال اور اس کے اثرات

مہر، نان و نفقہ جیسے حقوق کے حصول میں پیچیدگیاں اور دشواریاں ہیں ناکام شادیوں کے نتیجے، ماؤں کی کفالت میں خاندان (Mother based families) وجود میں آرہی ہیں جو اپنا اور اپنے بچوں کا بوجھ تنہا اٹھا رہے ہیں۔

گذشتہ ساٹھ برسوں میں ہزاروں کی تعداد میں خواتین سرکاری و نجی ملازمتوں میں آئی ہیں۔ برسہا برس کی ملازمت کے بعد وہ آمدن ان کی ضرورت بن چکی ہے چنانچہ وہ تمام تر مسائل کے باوجود ملازمت کرنے کے حق میں ہیں۔

ہنر مند کا دیگر عورت جو اپنے گھروں میں (ہوم بیس ورکر کے طور پر) بہت کام کر رہی ہے۔ مگر مین محض اس کی مجبوری کا سودا کرتا ہے کسی لیبر پالیسی یا لیبر قانون میں اس کی دست گری کا تذکرہ نہیں ہے۔

3. ہوم بیسڈ ورکرز اور غیر منظم شعبے کے مسائل

سرکاری سطح پر ملکی ترقی کو اقتصادی ترقی کو خواتین کی ترقی اور خواتین کی ترقی کو خواتین کے ملازمت کی ایک ایسے نظریے سے منسلک کر دیا گیا ہے کہ اب معاشی ترقی اور خواتین کی بہو (ویمن ڈویلپمنٹ) کا کوئی منصوبہ اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ کس طرح عورتوں کی تعداد کو مردوں کے مساوی بلکہ نئی مجوزہ اصلاحات کے مطابق ترجیحاً خواتین کو ملازمتوں کے مواقع فراہم کیے جائیں۔ ریاست خواتین کے معاشی حقوق کے تحفظ میں قطعی ناکام ہے اس ضمن میں نہ مردوں کو بحیثیت کفیل پابند کرنے میں فعال ہے اور کفیل نہ ہونے کی صورت میں کسی ریاستی ادارے کو نہ یہ ذمے داری سونپ رہی ہے۔ نظام کفالت کی بحالی حکومتوں کے اہداف میں شامل ہی نہیں ہے۔ حکومت اس ضمن میں اپنی مخصوص نظریاتی، معاشرتی، سیاسی معاشی ضروریات کے بجائے امداد دینے والے ملکوں، بین الاقوامی اداروں اور امدادی ایجنسیوں کی ترجیحات پر کام کر رہی ہے۔

مبحث دوم: خواتین کے حقوق ملکیت-اسلامی نقطہ نظر

1. حقوق ملکیت

دنیا میں بہت سی قومیں گزری ہیں جس میں عورت کو حق ملکیت نہ تھا۔ اس کا خاندان کی جائیداد میں کوئی حصہ نہ تھا۔ بلکہ وہ اپنی محنت سے جو کچھ حاصل کرتی اسے بھی باپ، بیٹے شوہر یا خاندان کے دوسرے افراد کی ملکیت سمجھا جاتا۔ لیکن اسلام عورت کو وراثت کے نہایت وسیع واضح حقوق دیتا ہے۔ جیسے نکاح کے وقت شوہر سے اس کو مہر کی صورت میں ملتا ہے۔ ان تمام ذرائع سے جو کچھ مال اس کو ملتا ہے اس میں ملکیت اور قبضہ تعرف کے پورے حقوق اسے دیئے گئے ہیں۔ جن میں مداخلت کرنے کا اختیار نہ اس کے باپ کو حاصل ہے نہ شوہر کو اور نہ کسی اور کو۔

اللہ تعالیٰ کی بالاتر ملکیت کے باعث اور اس کے عائد کردہ حدود کے اندر قرآنی شخصی ملکیت کا اثبات کرتا ہے۔ اس کے نزدیک جائز ذرائع سے حاصل شدہ دولت پر جس طرح مرد کو حق ملکیت حاصل ہے۔ اسی طرح عورت کو بھی حاصل ہے۔ یہ گویا وہ آزادی ہے جو اس کے کھانے کے لیے صلاحیت اور جذبہ وجوش فراہم کرتی ہے۔ اس کے بغیر فرد میں کام کا جذبہ پیدا کرنا خلاف فطرت ہے۔ اسلام دولت کی انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے۔

ارشادربانی ہے:

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَٰلِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَٰلِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ [2]

"جو مال ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ کر مریں تھوڑا ہو یا زیادہ اس میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی۔"

اقربون سے یہ بات بتلائی کہ جس طرح مردوں کو مستحکم وارث سمجھا جاتا ہے اسی طرح عورتوں اور بچوں کو بھی اس حق سے محروم نہیں کیا نہیں جاسکتا۔ [3]

2. اسلامی نقطہ نظر

اسلام سے قبل عورت کو وراثت میں حصہ نہیں ملتا تھا۔ بلکہ ایک منقولہ جائیداد کی طرح تقسیم کر دی جاتی تھی۔ یہ اسلام کا عورت پر احسان عظیم ہے کہ اس نے صنف نازک کو جو تحت الثریٰ میں بڑی تھی اسے اٹھا کر رفعتوں سے ہمکنار کیا۔ جہاں اس کی حیثیت کو تسلیم کیا، وہاں اس کو اپنے باپ شوہر سے دوسرے قریبی رشتہ داروں سے بھی وراثت کا حق دیا۔ اسلام نے وراثت میں بھی مرد وعورت کا حصہ رکھاہے اور کسی کو اس حق سے محروم نہیں کیاہے۔ ارشاد ربانی ہے:

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَٰلِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَٰلِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا [4]

"مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا اور عورت کے لیے بھی ہے خواہ تھوڑا ہو یا بہت اور یہ حصہ اللہ کی طرف سے مقرر ہے۔"

اسلامی نقطۂ نظر سے خواتین کے حقوقِ ملکیت نہایت واضح، جامع اور منصفانہ ہیں۔ اسلام نے عورت کو جس معاشرتی مقام سے نوازا، اس کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ وہ اپنی ذات میں ایک مستقل اور خودمختار قانونی شخصیت رکھتی ہے۔ اس کا مال و دولت، جائیداد اور ہر طرح کی ملکیت اس کی اپنی مانی جاتی ہے اور کوئی دوسرا شخص، خواہ والدین ہوں، شوہر ہو یا اولاد، اس پر قبضہ یا تصرف کا حق نہیں رکھتا۔ جیسے حضرت خدیجہؓ اپنی تجارت اور مال کی مالک تھیں، اور نبی کریم ﷺ نے ان کے مال میں تصرف ان کی رضامندی سے ہی کیا۔ صحابیاتؓ نے بھی اپنے اموال سے جہاد اور فلاحی کاموں میں حصہ لیا۔

اسلام نے جس طرح عورت کو ملکیت اور وراثت کے حقوق دیے، دنیا کے بیشتر معاشرے صدیوں بعد بھی وہ حقوق دینے سے قاصر رہے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ معاشرتی رسم ورواج اور خاندانی دباؤ کے بجائے عورت کو اس کے اصل اسلامی حقوق دیے جائیں۔

مبحث سوم: پاکستان میں حقوق وراثت اور ان کے نفاذ میں چیلنجز

1. حقوق وراثت

اسلام میں حقوقِ وراثت ایک ایسا جامع اور عدل پر مبنی نظام ہے جو نہ صرف انسانی معاشرے کے توازن کو قائم رکھتا ہے بلکہ رشتہ داروں کے مابین محبت اور انصاف کو بھی پروان چڑھاتا ہے۔ قرآنِ حکیم نے بڑی وضاحت اور صراحت کے ساتھ وراثت کے حصے مقرر کیے ہیں تاکہ کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہو اور کوئی حق دار محروم نہ رہ سکے۔

عرب جاہلیت میں مال لڑکوں کو دیتے تھے اور عورتیں خالی ہاتھ رہ جاتی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا بھی حصہ مقرر کیا۔ قرآن مجید کی رو سے وراثت کا جو قانون بنایا گیا ہے۔ امن کا پہلا اصول یہ ہے۔

یُوصِیکُمُ اللّٰہُ فِیٓ أَوۡلَٰدِکُمۡۖ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ ٱلۡأُنثَیَیۡنِۚ فَإِن کُنَّ نِسَآءٗ فَوۡقَ ٱثۡنَتَیۡنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَۖ وَإِن کَانَتۡ وَٰحِدَةٗ فَلَهَا ٱلنِّصۡفُۚ وَلِأَبَوَیۡهِ لِکُلِّ وَٰحِدٖ مِّنۡهُمَا ٱلسُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن کَانَ لَهُۥ وَلَدٞۚ فَإِن لَّمۡ یَکُن لَّهُۥ وَلَدٞ وَوَرِثَهُۥٓ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ ٱلثُّلُثُۚ فَإِن کَانَ لَهُۥٓ إِخۡوَةٞ فَلِأُمِّهِ ٱلسُّدُسُۚ مِنۢ بَعۡدِ وَصِیَّةٖ یُوصِی بِهَآ أَوۡ دَیۡنٍۗ ءَابَآؤُکُمۡ وَأَبۡنَآؤُکُمۡ لَا تَدۡرُونَ أَیُّهُمۡ أَقۡرَبُ لَکُمۡ نَفۡعٗاۚ فَرِیضَةٗ مِّنَ ٱللّٰهِۗ إِنَّ ٱللّٰهَ کَانَ عَلِیمًا حَکِیمٗا [5]

"اللہ تمہیں تماری اولاد کے بارے میں تاکیدی حکم دیتا ہے۔ اور اگر دو سے زیادہ عورتیں ہوں تو ان کے لیے لڑکے کا ایک تہائی ہے اور اگر ایک ہی عورت ہو تو اس کے لیے نصف ہے۔ پھر بیوی کے بارے میں بتایا کہ ان کا حصہ ایک چوتھائی ہے۔ تمہارے ترکے میں بشرطیکہ تمہاری کوئی اولاد موجود نہ ہو۔ اگر تمہاری اولاد بھی ہو تو پھر بیوی کا حصہ آٹھواں ہے۔ اللہ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ بیوی کا آٹھواں، بیٹیوں کو دو تہائی اور باقی چچیرے بھائیوں کو حصہ دو۔"

اسلام نے بیوی، میاں، بیٹی اور بہن کی حیثیت تسلیم کروانے کے بعد وراثت میں بھی حصہ دار ٹھہرایا۔ یہ قاعدہ اولاد (بیٹا، بیٹی) کے بارے میں ہے۔ جیسا کہ آیت ہے:

یُوصِیکُمُ اللّٰہُ فِیٓ أَوۡلَٰدِکُمۡۖ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ ٱلۡأُنثَیَیۡنِۚ [6]

سے واضح ہے یہ ایسا قائدہ کلیہ ہے جس نے لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کو میراث کا مستحق بھی بنا دیا اور ہر ایک کا بھی حصہ مقرر کر دیا ہے۔ اور یہ اصول معلوم ہو گیا کہ جب مرنے والے کی اولاد میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہوں تو ان کے حصہ میں جو مال آئے گا۔ اس طرح تقسیم ہو گا۔ کہ ہر لڑکے کو لڑکی کے مقابلہ میں دو گنا مل جائے گا۔ مثلاً اگر کسی نے ایک لڑکا اور دو لڑکیاں چھوڑیں تو مال کے چار حصے ہو گئے اور دو لڑکے کو ملے گئے اور ایک ایک لڑکی کو۔

"شریعت اسلامیہ کا یہ حکم ہے کہ جب کوئی شخص فوت ہو جائے تو تجہیز و تکفین کے بعد اس کا قرض ادا کیا جائے، بعد ازاں اس کی وصیت پر عمل کیا جائے اس کے بعد بقیہ ترکہ حسب احکام قرآنی وارثوں میں تقسیم کیا جائے۔"[7]

اللہ تعالیٰ نے ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر رکھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد کو نان ونفقہ کا بوجھ اور تکلیف تجارت اور کسب معاش کی دشواریاں اور اس سلسلہ کی دوسری مشقتیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ اس لیے مناسب یہی ہے کہ عورت جو حصہ پاتی ہے اس سے دوگنا مرد کو دیا جائے گا۔[8]

اسلام نے وراثت کو خاندانی نظام کا ایک ستون بنایا ہے۔ اس میں نہ جذبات کو دخل ہے نہ ظلم کو، بلکہ ہر شخص کو اس کے رشتہ اور ذمہ داری کے مطابق حصہ ملتا ہے۔ عورت کو کبھی بیٹی کی حیثیت سے، کبھی ماں کے درجہ میں، اور کبھی بیوی کی حیثیت سے مقررہ حصہ دیا گیا ہے۔ یہ وہ عدل ہے جس کی نظیر دنیا کے کسی اور قانون میں نہیں ملتی۔ اسلام نے انسان کے انتقال کے بعد بھی اس کے مال کو یوں تقسیم کیا کہ نہ صرف معاشرتی بوجھ ہلکا ہوا بلکہ کمزور اور محتاج رشتہ داروں کا سہارا بھی فراہم ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں وراثت کا قانون محض مالی تقسیم نہیں، بلکہ عدل، مساوات اور سماجی بھلائی کا ایک حسین امتزاج ہے۔

2. پاکستان میں وراثت کے حقوق کے نفاذ میں چیلنجز

پاکستان میں وراثت کے حقوق کے نفاذ کو کئی چیلنجز اور رکاوٹوں کا سامنا ہے، حالانکہ آئینِ پاکستان اور اسلامی شریعت دونوں اس بات کی ضمانت دیتے ہیں کہ ہر حق دار کو اس کا مقررہ حصہ دیا جائے۔ تاہم عملی طور پر صورتِ حال اس سے مختلف ہے اور خواتین بالخصوص زیادہ متاثر ہوتی ہیں۔ افیہ شہر بانو ضیا لکھتی ہیں:

> سب سے نمایاں رکاوٹ سماجی اور خاندانی دباؤ ہے۔ دیہی اور شہری دونوں معاشروں میں اکثر خواتین کو ان کے وراثتی حقوق سے محروم رکھا جاتا ہے۔ بعض اوقات بھائی یا دیگر وارثین یہ سمجھتے ہیں کہ بیٹی یا بہن کو جائیداد میں سے حصہ دینا خاندانی زمین کی تقسیم یا کمزوری کا باعث بنے گا۔ ایسے حالات میں دباؤ، شرم و لحاظ اور معاشرتی رواج کے نام پر خواتین اپنے جائز حق سے دستبردار کر دی جاتی ہیں۔ دوسرا بڑا مسئلہ قانونی پیچیدگیاں اور عدالتی تاخیر ہے۔ وراثتی مقدمات برسوں تک عدالتوں میں زیرِ سماعت رہتے ہیں، جس کے نتیجے میں حق دار افراد بروقت اپنے حصے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ کاغذات کی جعل سازی، ریکارڈ کی کمی اور رجسٹریشن کے مسائل بھی وراثت کے حصول میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ اسی طرح دینی و قانونی آگاہی کی کمی بھی ایک سنگین مسئلہ ہے۔ کئی خواتین اپنے شرعی حصے سے ناواقف ہوتی ہیں یا انہیں درست معلومات فراہم نہیں کی جاتیں۔ اس کمزوری کا فائدہ اکثر طاقتور یا بااثر وارثین اٹھاتے ہیں اور یوں اصل حق دار محروم رہ جاتا ہے۔ (9)

یوں دیکھا جائے تو پاکستان میں وراثت کے حقوق کے نفاذ کا سب سے بڑا چیلنج صرف قانون کی کمزوری نہیں بلکہ سماجی رویے، جہالت، رسم و رواج اور عدالتی نظام کی خامیاں بھی ہیں۔ جب تک قانون کے ساتھ ساتھ عوامی شعور، دینی تعلیمات اور معاشرتی اصلاح کو فروغ نہیں دیا جاتا، تب تک وراثت میں عدل و انصاف کا خواب مکمل طور پر شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکے گا۔

مبحث چہارم: خواتین کی ملازمت اور اسلامی تعلیمات: فوائد، حدود و قیود اور مغربی نظام کے اثرات

1. خواتین کی ملازمت اور اسلامی تعلیمات

خواتین کی ملازمت کا مسئلہ اس دور میں بڑی اہمیت اختیار کر گیا ہے اور اس کو خصوصی اہمیت موجودہ مغربی معاشرہ کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے، یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ مغرب کے سرمایہ دارانہ معاشرتی نظام کی بنیاد خود غرضی اور لذت پرستی پر ہے اور یہی دونوں محرکات خواتین خانہ کو گھر سے باہر لانے کے پیچھے کار فرما ہیں، خود غرضی یہ ہے کہ مغربی معاشرہ میں

عورتوں کا معاشی بوجھ مرد برداشت کرنا نہیں چاہتے، یہاں تک کہ جب لڑکی کی عمر اٹھارہ سال کی ہو جاتی ہے، تو والدین خود اس سے تقاضا کرنے لگے ہیں کہ وہ باہر نکلے، ملازمت کرے اور خود اپنا بوجھ اٹھائے، اس کا استقبال کرے، یہ وہ محرکات ہیں، جس نے یورپ کے صنعتی انقلاب کے بعد بڑے پیمانے پر عورتوں کو گھر سے باہر نکلنے کا راستہ دکھایا، یہاں تک کہ اس معاشرہ کو حقیر سمجھا جانے لگا، جس میں عورتیں، شمع محفل، بننے کی بجائے، چراغ خانہ بن کر رہتی تھیں۔

1. فوائد و نقصانات

عورتون کے گھر سے باہر نکلنے سے فائدہ تو صرف اتنا ہوا کہ بعض خاندانوں کے معاشی حالات بہتر ہو گئے، سماج کے بگڑے ہوئے لوگ جو خواتین کو بالکل مجبور و بے بس سمجھ کر اپنے مظالم کا نشانہ بناتے تھے اور عورتیں ہر طرح کی زیادتی کے باوجود خاموش رہنے پر مجبور تھیں، ان سے کچھ خواتین کو آزادی حاصل ہوئی لیکن سماج کو اور خود خواتین کو اس سے جو نقصان ہوا، وہ ان محدود فوائد سے کہیں بڑھ کر ہے، ان میں سے کچھ فریدہ شہید کے بقول اہم باتوں کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

1۔ انسان کے لئے خاندانی نظام بہت بڑی ضرورت بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی رحمت بھی، خاندانی نظام مشکل حالات میں اس کی مدد کرتا ہے، تکلیف ہو تو زخم کا مرہم بنتا ہے، خوشی کا موقع ہو تو خاندان کی شرکت اسے دوبالا کر دیتی ہے، یہ اس کے لئے تحفظ کا حصار بھی ہے، خاندان کی بنیاد نکاح کے رشتہ پر ہے، کیوں کہ نکاح ہی کے ذریعہ مختلف رشتے وجود میں آتے ہیں اور ان ہی رشتوں کے مجموعہ کا نام خاندان ہے۔ رشتہ نکاح میں جتنا استحکام رہے گا، خاندانی نظام اس قدر مضبوط ہو گا، نکاح کے استحکام کا ایک اہم سبب باہمی احتیاج و ضرورت مندی بھی ہے، شوہر اپنے بچوں کی پرورش کے لئے بیوی کا محتاج ہوتا ہے اور بیوی اپنی معاشی ضروریات کے لئے شوہر کی محتاج ہے، اس احتیاج کی وجہ سے ایک دوسرے کو برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور انسان کڑواہٹوں پر بھی ضبط و تحمل سے کام لیتا ہے، جب عورت خود کسبِ معاش کے میدان میں اتر جاتی ہے، تو وہ اپنی ضروریات کے لئے شوہر کی محتاج نہیں رہتی؛ اس لئے شوہر کی طرف سے خلاف مزاج باتوں کو انگیز کر لینے کا جذبہ کم ہو جاتا ہے اور روط نکاح میں اوزار آنے لگتی ہے؛ چنانچہ کام کرنے والی خواتین کی ازدواجی زندگی میں طلاق کے واقعات دوسرے خاندانوں کی نسبت کہیں زیادہ پائے جاتے ہے؛ چنانچہ ایک سروے کے مطابق عورت کے کام کرنے کی وجہ سے مغربی ممالک میں بارہ ملین طلاق کے واقعات پیش آئے ہیں۔

۲- نکاح کا ایک اہم مقصد باہمی سکون اور دل کا قرار ہے، جب بیوی ملازمت کے لئے باہر نکلتی ہے تو اکثر شوہر اس کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا ہو جاتا ہے، یہ چیز اسے بے چین کر دیتی ہے عورت کے لئے بھی یہ بات ممکن نہیں ہوتی کہ وہ اپنے شوہر کی طرح کام کر کے تھک ہار کر گھر آئے اور پھر یہاں شوہر کے لئے فرحت و انبساط کا ساماں بہم پہنچائے کہ افسر دو کند افسر دوا نجمن را" اس طرح نکاح کا حقیقی مقصد فوت ہو کر رہ جاتا ہے۔"

۳- کسبِ معاش کی یہ ہم بعض خواتین ابتداء میں ایک شوق کے طور پر اختیار کرتی ہیں، مگر یہ بہ تدریج ان کے لئے ایک فرایضہ بن جاتا ہے، اب انہیں بچوں کی پرورش بھی کرنی پڑتی ہے، کچھ نہ کچھ امور خانہ داری کو بھی انجام دینا پڑتا ہے حمل اور ولادت کی مشقت بھی انہیں اٹھانی پڑتی ہے، حیض ونفاس کی فطری تکلیفیں بھی ان کے ساتھ لگی ہوئی ہیں، اس طرح انہیں اپنے فطری فرائض بھی انجام دینے پڑتے ہیں، اور جو ذمہ داری مردوں کی تھی، اسے بھی اختیار کرتا ہوتا ہے، یہ

دوہری ذمہ داری یقیناً عورتوں کے لئے بوجھ ہے؛اس لئے بعض سروے رپورٹوں کے مطابق مغربی ملکوں میں اکثر خواتین گرہست خانون کی حیثیت سے زندگی گذارنے کو ترجیح دیتی ہیں۔

۴۔ اس کا سب سے بڑا نقصان بچوں کو پہنچتا ہے، وماں کی ممتا سے محروم ہو جاتے ہیں، مثلاً جو ماں صبح سویرے دفتر کے لئے نکلے اور شام یارات میں واپس آئے، وہ کس طرح اپنے بچوں کو ماں کا پیار دے سکتی ہے؟ اس لئے مغربی ملکوں میں بچھوٹے بچوں کے لئے پرورش گاہیں قائم ہوئیں، اور اس نے ایک کاروبار کی صورت اختیار کر لی۔ کام کا بوجھ انسان کی طبیعت میں چڑ چڑا پن اور جھلاہٹ بھی پیدا کر دیتا ہے اور یہ چیز بعض اوقات انسان کو غیر معتدل بنادیتی ہے؛اس لئے مغربی ملکوں میں ماں کے ہاتھوں چھوٹے بچوں پر زیادتی کے واقعات کثرت سے پیش آرہے ہیں؛چنانچہ امریکہ میں صرف ایک سال میں پانچ ہزار چھ سو بچے ماں کے زدو کوب کرنے کی وجہ سے ہسپتال میں داخل کئے جا چکے ہیں۔

۵۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خواتین کی ملازمت اخلاقی اعتبار سے بھی نقصان دہ ہے مخلوط ماحول میں مردوں اور عورتوں کی ملازمت اخلاقی بے راہ روی کو جنم دیتی ہے اور خاص طور پر عورتوں کے جنسی استحصال کے واقعات کثرت سے پیش آتے ہیں، یہ بات نہ صرف مغربی ممالک میں پیش آتی ہے، بلکہ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں ابھی خواتین کی ملازمت کرنے کا تناسب مغربی ملکوں کے مقابلہ بہت کم ہے وہاں بھی ایسے واقعات کی کثرت ہے اور جو لوگ اظہارات کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں ان کے لئے یہ کوئی قابل تعجب امر نہیں۔

6۔ اس کا گہرا اثر خواتین کی صحت پر بھی پڑتا ہے؛ کیوں کہ اندرون خانہ اور بیرون خانہ کی دوہری ذمہ داریاں اور فطری عوارض عورت کی صحت پر گہرے منفی اثرات ڈالتے ہیں؟ اس لئے مختلف سروے کے مطابق مغربی ملکوں میں درد کش اور تناؤ کو دور کرنے والی دواؤں کے استعمال کا تناسب کام کرنے والی عورتوں میں یہ مقابلہ مردوں کے 67% زیادہ ہے۔[10]

خواتین کے کسب معاش کے میدان میں آنے ایک اثر شرح پیدائش پر بھی پڑتا ہے اور امریکہ نیز دوسرے مغربی ممالک جو اس وقت گھٹتی ہوئی شرح پیدائش کے سلسلہ میں پریشان ہیں۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہے؛ کیوں کہ ملازمت پیشہ خواتین ایک تو شادی ہی میں تاخیر کرتی ہیں اور شادی کے بعد بھی دیر سے ماں بنا چاہتی ہیں اور فطری نظام یہ ہے کہ عمر کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ عورت میں ماں بننے کی صلاحیت کم ہوتی جاتی ہے، یہاں تک کہ چالیس سال کے بعد عورت کے حاملہ ہونے کا امکان دس فیصد ہی باقی رہ جاتا ہے؛ چنانچہ امریکہ میں بانجھ عورتوں کا تناسب تیز رفتاری کے ساتھ بڑھتا جارہا ہے، یہی وجہ ہے کہ امریکہ، یورپ، کناڈا اور جاپان جیسے ممالک۔۔۔ جہاں خواتین کی آزادی کے نام پر انہیں پوری طرح گھر سے باہر لے آیا گیا ہے۔۔۔ کی عورتوں پر اس نعرہ کا فریب واضح ہو چکا ہے اور ایک اندازہ کے مطابق ان ملکوں میں کام کرنے والی 87% خواتین گھر سے باہر نکل کر کسب معاش کرنے کے مقابلہ اس بات کو ترجیح دیتی ہیں کہ وقع خانہ بن کر رہیں اور امور خانہ کو انجام دینے پر اکتفاء کریں۔

2. اسلامی اصولوں کے تحت خواتین کی ملازمت کی اجازت

مردوں اور عورتوں کے بارے میں اسلام کا بنیادی تصور یہ ہے کہ انہیں تقسیم کار کے ساتھ زندگی گزارنی چاہئے، باہر کی تگ ودو اور دوڑ دھوپ مردوں کے ذمہ ہے؛ اسی لئے ان پر کسب معاش کو فرض قرار دیا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے

ارشاد فرمایا:" طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة "[11] نیز اللہ تعالی نے فرمایا: "فإذا قضيت الصلاة فانتشروا في الأرض وابتغوا من فضل الله" **(الجمعه: ۱۰)** اسی طرح جہاد اور لوگوں کے تحفظ کی ذمہ داری مردوں پر رکھی گئی ہے، عورتوں پر نہیں، مردوں پر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کو واجب قرار دیا گیا، عورتوں پر جماعت واجب قرار نہیں دی گئی، عورتوں سے فرمایا گیا کہ وہ گھر کی ملکہ میں المرأة راعية على بيت بعلها "[12] اس لئے ان کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز گھر کو بنانا چاہئے۔ وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى [13]
تقسیم کاریوں تو مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے فائدہ مند ہے کیوں کہ جب بیوی گھر میں ہو تو شوہر امور خانہ داری کی طرف سے مطمئن ہوتا ہے اور بیوی کو اپنی ضروریات زندگی کے لئے کوئی تگ ودو نہیں کرنی پڑتی بلکہ شوہر محنت مزدوری کر کے اپنی ساری کمائی بیوی کے قدموں میں ڈال دیتا ہے؛ لیکن عورتوں کے لئے یہ زیادہ مفید ہے؛ کیوں کہ جو عورتیں ملازمت کرتی ہیں، انہیں بہ یک وقت دونوں ذمہ داریاں انجام دینی پڑتی ہیں، اندرون خانہ کی بھی اور بیرون خانہ کی بھی، یہ عورتوں کے ساتھ یقینا کھلی ہوئی زیادتی سے تقسیم کار کا نظام عورت کو اس سے نجات دیتا ہے۔
مردانہ اور زنانہ حقوق وفرائض کی تقسیم نہ صرف اسلام کا مزاج ہے؛ بلکہ یہی پورے خطہ مشرق کی روایت رہی ہے اور یہ ایک فطری اور متوازن نظام ہے، جو مرد وعورت دونوں کے لئے راحت وسکون کا باعث ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام عورتوں کے لئے کسب معاش کو یا کسب کے لئے گھر سے باہر نکلنے کو مطابق شجر ممنوع قرار دیتا ہو؛ بلکہ قرآن وحدیث اور اس سے مستنبط فقہاء کے اجتہادات میں ہمیں خواتین کے لئے ملازمت اور کسب معاش کی شرقی حدود وقیود کی رعایت کے ساتھ اجازت بھی ملتی ہے:۔ قرآن مجید میں حضرت شعیب اللہ کی دو صاحبزادیوں سے متعلق ایک واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے:

> وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدَانِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ [14]
>
> "اور مدین کے پانی پر جب آپ پہنچے تو دیکھا کہ لوگوں کی ایک جماعت وہاں پانی پلا رہی ہے اور دو عورتوں کو الگ کھڑی اپنے جانوروں کو روکتی ہوئی دیکھا، پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے، وہ بولیں کہ جب تک یہ چرواہے واپس نہ لوٹ جائیں ہم پانی نہیں پاتیں اور ہمارے والد بہت بڑی عمر کے بوڑھے ہیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت شعیبؑ کی صاحبزادی اپنے گھر کے پانی کی ضرورت کے لئے باہر جایا کرتی تھیں اور خود پانی بھر کر لایا کرتی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ **" كان آدم ' " حراثا ... وحواء تعزل الشعر فتحوله بيدها، فتكسو أنفسها وولدها**[15] "حضرت خواء اپنے ہاتھ سے دھاگہ کاتتی تھیں اور اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو پہنایا کرتی تھیں" امام محمد نے حضرت عیسیؑ کے بارے میں روایت نقل کی ہے کہ وعیسیؑ كان ياكل من غزل امه "حضرت عیسی اللہ اپنی ماں کے کاتے ہوئے دھاگے سے کھایا کرتے تھے۔"

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بعض اوقات خواتین فوجی خدمات میں حصہ لیا کرتی تھیں، چنانچہ حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:"**كنا تغزو مع النبي ﷺ فنسقى القوم ونخدمهم ونرد القتلى والجرحى المدينة**"[16]"ہم لوگ حضور ﷺ کے ساتھ جہاد میں شریک رہتے تھے، قوم کو پانی پلاتے تھے، اور ان کی خدمت کرتے تھے، نیز مقتولوں اور زخمیوں کو مدینہ لے جاتے تھے" اسی طرح حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

غزوت مع رسول الله اسبع غزوات، أخلفهم فى رحالهم، فاصنع لهم الطعام وأداوى الجرحى وأقوم على المرضى "[17]

"میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات جنگوں میں شرکت کی ہے، میں اپنے کجاوؤں میں ان کے پیچھے رہتی تھی، ان کے لئے کھانے بناتی تھی، زخمیوں کا علاج اور بیماروں کی تیمارداری کرتی تھی"

عہد نبوی میں خواتین کا زراعتی کاموں میں شرکت کرنا بھی ثابت ہے؛ چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ اس سے مروی ہے:

أن النبى ﷺ دخل على أم مبشر الأنصارية فى نخل لها، ... فقال: لا يغرس مسلم غرسا، ولا يزرع زرعا، فيأكل منه إنسان ولا دابة ولا شيئ إلا كانت له صدقة

"رسول اللہ ﷺ حضرت ام بہتر انصار میہ رضی اللہ عنہا کے یہاں ان کے کھجور کے باغ میں تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی مسلمان جو درخت لگاتا ہے، یا کھیتی کرتا ہے، پھر اس میں سے کوئی انسان یا چوپایہ کوئی چیز کھائے تو میں اس کے لئے صدقہ ہے۔"[18]

کسبِ معاش کا ایک طریقہ جانوروں کی پرورش ہے، رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عام طور پر خواتین اس میں مردوں کا تعاون کرتی تھیں اور بعض اوقات مویشی چرانے کا بھی کام کرتی تھیں چنانچہ حضرت سعد بن معاذؓ سے روایت ہے۔" أن جارية لكعب بن مالك ، كانت ترعي غنما بسلع فأصيبت شاة منها فأدركتها، فذبحتها بحجر، فسئل النبي ﷺ، فقال:كلوها"[19] حضرت کعب بن مالکؓ کی باندی (سلع نامی مکان پر) بکریاں چرایا کرتی تھی، ان میں سے ایک بکری جانور کا شکار بن گئی انہوں نے اسے زندہ حالت میں پالیا، چنانچہ پتھر کی مدد سے اسے ذبح کیا، پھر حضور ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اسے کھاؤ"

کسب معاش کا ایک اہم ذریعہ تجارت ہے، قرن اول میں خواتین کے تجارت کرنے کا بھی ذکر ملتا ہے:

عن الربيع بنت معود قالت : دخلت فى نسوة من الأنصار على أسماء بنت مخرمة أم أبى جهل فى خلافة عمر بن الخطاب، وكان ابنها عياش بن عبد الله بن أبى ربيعة يبعث إليها من اليمن بعطر، فكانت تبيعه [20]

"حضرت ربیع بنت معوذ سے مروی ہے کہ میں کچھ انصاری خواتین کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ابوجہل کی ماں اسماء بنت مخرمہ کے پاس گئی ان کے بیٹے عیاش ابن عبد اللہ بن ابی ربیع ان کے پاس یمن سے عطر بھیجا کرتے تھے اور وہ اسے فروخت کیا کرتی تھی۔"

حدیثوں میں کثرت سے تعلیم وتربیت کی فضیات وارد ہوئی ہے،اس میں آپ ﷺ نے مردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا ہے:اس لئے جیسے مرد فریضہ تدریس انجام دے سکتے ہیں۔اسی طرح شرعی حدود کی رعایت کے ساتھ عورتیں بھی اس فریضہ کو انجام دے سکتی ہیں:چنانچہ ہر عہد میں فاضل محدثات وفقیہات تدریس کی خدمت انجام دیتی رہی ہیں،حدیث کا فیض جن سات حضرات کے ذریعہ سب سے زیادہ لوگوں تک پہونچا ہے،اس میں ایک ام المؤمنین حضرت عائشہ صدایقہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں اسی طرح فتویٰ دینے کی خدمت خواتین بھی انجام دے سکتی ہیں،علامہ ابن قیمؒ نے سب سے زیادہ فتوی دینے والے صحابہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا،درمیانی درجہ میں فتوی دینے والی خواتین میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا اور کم تعداد میں فتاوی دینے والای عورتوں میں انیس صحابیات رضی اللہ عنہن کا ذکر کیا ہے:بلکہ فقہ احناف کے نزدیک تو حدود وقصاص کے علاوہ دوسرے مقدمات میں عورتیں قاضی بھی بن سکتی ہیں۔[21]

ایک زمانہ میں یہ ساری خدمتیں بلا معاوضہ انجام دی جاتی تھیں:کیوں کہ خدمین دین کے لئے مسلمان حکومت کی جانب سے شایان شان وظائف مقرر ہوتے تھے اور عام مسلمان بھی ان کے قدرشناس تھے،بعد کو جب حالات بدل گئے،تو تعلیم قرآن اور افتاء وقضاء وغیرہ پر اجرت لینے کا جائز ہونا تمام فقہاء کے درمیان متفق علیہ ہو گیا،پس جب عورتیں ان خدمات کو شرعاً انجام دینے کی اہل ہیں،تو ان کے لئے بھی یقیناً اجرت لے کر ان کاموں کو انجام دینا درست ہو گا۔

کسب معاش کا کا یاک ذریعہ صنعت اور دستکاری بھی ہے،رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بعض خواتین اس ذریعہ معاش کو بھی استعمال کیا کرتی تھیں،ایسی ہی خواتین میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی روجہ حضرت زینت رضی اللہ عنہا تھیں۔

> قالت: یا رسول اللہ ﷺ! انی امراۃ ذات صنعۃ ابیع منھا ولیس لی ولا لولدی ولا لزوجی نفقۃ غیرھا، وقد شغلونی عن الصدقۃ فما استطیع ان اتصدق بشیء فھل لی من اجرفیما؟ قال: فقال لھا رسول اللہ ﷺ انفقی علیھم فان لک فی ذلک اجرما انفقت علیھم[22]
>
> ”انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! میں ایک کاری گری سے واقف عورت ہوں، میں اس میں سے فروخت کرتی ہوں، میرے، میرے بچے اور میرے شوہر کے لئے اخراجات کا صرف یہی ایک ذریعہ ہے، ان مصارف کی وجہ سے میں کچھ صدقہ نہیں کرپاتی، تو کیا میرے لئے ان پر خرچ کرنے میں کوئی اجر ہے؟ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم ان پر خرچ کرتی رہوں تمہارے لئے اس میں تمہارے خرچ کرنے کا اجر ہے“

بلکہ رسول اللہ ﷺ نے تو عورتوں کو ایسے کاموں کی ترغیب دی ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:”**خیر لھو المؤمن السباحۃ وخیر لھو المرأۃ المغزل**“[23]”مومن مرد کے لئے فارغ وقت کا بہترین مشغلہ تیراکی ہے اور عورت کے لئے عجنائی“

آج کل دستکاری کا میدان بہت وسیع ہو گیا ہے،اس میں سلائی کڑھائی سے لے کر ڈرافٹنگ ڈیزائننگ کمپوزنگ اور مختلف چیز میں شامل ہو گئی ہیں۔ غرض کہ جو کام مردوں کے لئے جائز ہے،اگر قرآن وحدیث میں عورتوں کو ان سے منع نہ کیا گیا ہو، تو عورتوں کے لئے شرعی حدودوقیود کے ساتھ انہیں انجام دینا جائز ہے؛ اس لئے فقہاء نے اکثر معاملات جیسے خرید

وفروخت، اجارہ، وکالت، مزارعت (بنائی پر کاشت کاری) وغیرہ کے لئے مرد ہونے کی شرط نہیں لگائی ہے، یہ گویا اس بات کی صراحت ہے کہ عورتیں بھی ان کاموں کو کرسکتی ہیں۔

کسبِ معاش کی دو بالواسطے صورتیں بھی ہیں: ایک مضاربت، اور دوسرے: شرکت، مضاربت یا شرکت کے لئے بھی فریقین یا ان میں سے ایک کا مرد ہونا ضروری نہیں، گویا عورتیں بھی اس طریقہ پر نفع حاصل کرسکتی ہیں، خود رسول اللہ ﷺ نے نبوت سے پہلے ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال مضاربت پر حاصل کیا تھا۔

یہ انسانی ضرورت کا تقاضا بھی ہے؛ کیوں کہ بعض اوقات عورت کے لئے کسب معاش مجبوری بن جاتی ہے، ایک ایسی مطلقہ یا بیوہ عورت جس کو لڑکا نہ ہو یا ہو اور کسب معاش کے لائق نہ ہو، ایک ایسی عورت جس کا شوہر معذور ہو گیا ہو اور وہ کمانے سے قاصر ہو، ایک ایسی عورت جس کا شوہر بے روزگار ہو اور باوجود کوشش کے روزگار لیس ملتا ہوا اور ایک ایسی عورت جس کے بچے زیادہ ہوں، شوہر کی آمدنی کم ہوا اور شوہر چاہتا ہو کہ بیوی اس کی مدد کرے، اس کے لئے یقیناً کسب معاش ایک ضرورت کا درجہ رکھتی ہے وہ نہ صرف اس کے پیٹ کی آگ بجھاتی ہے، اس کے بال بچوں کے پرورش کا ذریعہ بنتی ہے؛ بلکہ اس کے لئے عفت وعصمت کی حفاظت کا بھی سامان ہے۔

بعض دفعہ عورتوں کی ملازمت صرف ملازمت کرنے والی خواتین ہی کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ ان کی ملازمت معاشرہ کی اجتماعی ضرورت کا درجہ رکھتا ہے، جیسے: میڈیکل خدمات، خواتین کثرت سے ایسی بیماریوں سے دوچار ہوتی ہیں، جن میں بے ستری کی نوبت آتی ہے۔ ایک عورت کا دوسری عورت کے سامنے ضرورتاً بے ستر ہونا یقیناً کسی مرد کے سامنے بے ستر ہوئے سے بہتر ہے، اس طرح تعلیم کے دوسرے شعبوں میں بھی خواتین کی ضرورت ہے؛ اسی طرح تعلیم کے دوسرے شعبوں میں بھی خواتین کی ضرورت ہے: تاکہ معلمات کے ذرایہ لڑکیوں کی تعلیم انجام پائے جائے کبھی اپنے یتیم بچوں، بوڑھے ماں باپ اور بے سہارا بھائیوں اور بہنوں کی پرورش بھی اس سے متعلق ہو جاتی ہے۔

غرض کہ عورت کا کسب معاش کرنا اور اس کا معاش کے لئے شرعی حدود وقیود کے ساتھ گھر سے باہر لکھنا اپنی اصل کے اعتبار سے ناجائز نہیں ہے، اور شریعت اس کو مطلقاً منع نہیں کرتی ہے؛ البتہ یہ ضروری ہے کہ شریعت نے عورتوں کے خصوصی حالات کے تحت جو شرائط اور حدود مقرر کی ہیں، ان کا پورا پورا لحاظ کیا جائے۔

3. شرعی حدود وقیود (پردہ، اختلاط سے اجتناب، ولی کی اجازت)

خواتین کے لئے ملازمت کے سلسلہ میں اصل اہمیت اس بات کی ہے کہ اس کی ملازمت کے جائز ہونے کے لئے کیا شرطیں ہیں؟ اگر غور کیا جائے تو بحیثیت مجموعی اس سلسلہ میں تین باتیں اہم ہیں:

* پردہ کے احکام کی رعایت۔
* اجنبی مردوں کے ساتھ اختلاط سے اجتناب۔
* ولی وسرپرست کی اجازت۔

انہیں تینوں نکات پر مختصر روشنی ڈالی جاتی ہے: ستر کے سلسلہ میں قدیم زمانہ سے فقہاء کے درمیان اس بات پر تو اتفاق ہے کہ چہرہ اور ہاتھ کے علاوہ عورت کا پورا جسم قابل ستر ہے لیکن چہرے کے سلسلہ میں اختلاف ہے، فقہاء احناف اور بہت سے دوسرے فقہا کا نقطہ نظر یہ ہے کہ چہرہ اصلاً پردہ میں داخل نہیں، ان حضرات کی دلیل اس طرح ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّواْ مِنْ أَبْصَٰرِهِمْ وَيَحْفَظُواْ فُرُوجَهُمْۚ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْۚ إِنَّ ٱللَّهَ خَبِيرُۢ بِمَا يَصْنَعُونَ٣٠ وَقُل لِّلْمُؤْمِنَٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَٰرِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ [24]

"آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، میدان کے حق میں زیادہ صفائی کی بات ہے، بے شک اللہ کو ان سب کی خبر ہے، جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں، اور آپ کہہ دیجئے ایمان والیوں سے کہ اپنی نظر میں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔"

اس آیت سے استدلال اس طور پر ہے کہ "غض بصر" کا حکم اسی وقت دیا جاسکتا ہے، جب چہرہ دیکھے جانے کی حالت میں ہو اور نہ اس کا کوئی معنی نہیں؛ چنانچہ عورتوں کو بھی "غض بصر" کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ مرد کا چہرہ کھلا ہوتا ہے اور وہ دیکھے جانے کی حالت میں ہوتا ہے۔

عن جابر ﷺ - أن رسول الله ﷺ قال : إذا خطب أحدكم المرأة فإن استطاع أن ينظر إلى ما يدعوه إلى نكاحها فليفعل "[25]

"حضرت جابر انبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص عورت کو نکاح کا پیغام دے، تو اگر وہ اس چیز کو کچھ سکے جو اس کے لئے اس عورت سے نکاح کا باعث ہوا ہے تو اسے ایسا کرنا چاہئے۔"

اس سلسلہ میں علامہ بغویؒ کا بیان ہے:

باب النظر إلى المخطوبة ... والعمل على هذا عند بعض أهل العلم قالوا إذا أراد الرجل أن ينكح امرأة فله أن ينظر إليها . وهو قول الثوري و الشامي و احمد وإسحاق .سواء أديت أو لم نادن، إنما ينظر منها إلى الوجه و السفير فقط، ولا يجوز أن ينصر إليها حاسرة أو ينظر إلى شيء من عورتها، وقال الأوزاعي لا ينصر إلا إلى وحيها[26]

"مخطوبہ کو دیکھنے کا بیان بعض اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے، ان کا کہنا ہے کہ آدمی جب کسی عورت سے نکاح کرے تو اسے چاہئے کہ اس کو دیکھ لے، چاہے اس نے اس کی اجازت دی ہو یا نہیں دی ہو، یہی قول سفیان ثوری، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہم کا ہے، مگر صرف چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں ہی کا دیکھنا جائز ہے، یہ جائز نہیں کہ اس کو کھلی ہوئی حالت میں دیکھے یا اس

کے حصہ ستر میں سے کوئی حصہ دیکھے اور امام اوزاعی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کے صرف چہرہ ہی دیکھ سکتی ہے۔"

صاحب نہایۃ المحتاج نے اسی پر گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے:

واذا قصد نكاحها ... من نظره إليها ... وذلك قبل الخطبة لا بعدها وإن لم تأمل هي ولا وليها اكتفاء باذنه صلى الله عليه وسلم، ففي رواية : وان كانت لا تعلم بل قال الأوزاعي : الأولى عدم علمها ؛ لأنها قد تتزين له سابعة "(27)

"اور جب اس سے نکاح کرے تو مسنون ہے کہ اس کی طرف دیکھ لے اور یہ پیغام دینے سے پہلے ہونا چاہیے نہ کہ اس کے بعد گو کہ اس نے یا اس کے ولی نے اجازت نہ دی ہو اکیوں کہ رسول اللہ ﷺ کی اجازت کافی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے: اگر چہ لڑکی کے علم میں نہ ہو؛ بلکہ امام اوراقی علیہ الرحمہ تو کہتے ہیں کہ عورت کا واقف نہ ہونا بہتر ہے؛ اس لئے کہ اگر وہ واقف ہو جائے تو ایسی زیبائش و آرائش کر سکتی ہے کہ مرد دھوکہ کھا جائے"۔

عن عائشة رضى الله عنها : أن أسماء بنت أبي بكر رضى الله عنهما دخلت على رسول الله وعليها ثياب رقاق، فأعرض عنها رسول الله، وقال لها : يا أسماء ! إن المرأة إذا بلغت المحيض لم تصلح أن يرى منها إلا هذا وهذا، وأشار إلى وجهه وكفيه "(28)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں ان کے جسم پر باریک کپڑے تھے حضور ﷺ نے چہرہ پھیر لیا، اور ان سے فرمایا: اے اسماء عورت جب بلوغ کو پہنچ جائے تو صرف یہ اور یہ نظر آنا چاہئے اور آپ ﷺ نے چہرہ اور ہاتھوں کی طرف اشارہ فرمایا"

اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ چہرہ اور ہتھیلیوں کو آپ ﷺ نے حصہ ستر میں شامل نہیں فرمایا ہے، اس طرح کی متعدد روایتیں ہیں، جو صراحتاً یا دلالۃً اس بات کو بتاتی ہیں کہ چہرہ ستر میں داخل نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں ان حضرات نے قرآن مجید کی اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے:

وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا(29)

"عورتیں اپنی آرائش کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہو جائے۔"

چنانچہ **إلا ما ظهر منها** "کی تفسیر علامہ ابن کثیر نے ان الفاظ میں نقل کی ہے:

إلا ما ظهر منها : الخاتم، الخلخال، ويحتمل أن ابن عباس ومن تابعه أرادوا تفسير ما ظهر منها بالوجه والكفين، وهذا هو المشهور، وليستأنس له بالحديث الذي رواه أبوداؤد عن عائشة رضي الله عنها أن أسماء رضي الله عنها بنت أبي بكر رضي الله عنه دخلت على النبي ﷺ وعليها ثياب رفاق:(30)

"إلا ما ظهر منها "(مگر جو عورت کا ظاہر ہو جائے) سے مراد انگوٹھی اور پازیب ہے یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ ہے اور ان کے متعین نے " ما ظهر منها کی تفسیر چہرہ اور ہاتھوں سے کی ہو، اور یہی مشہور ہے اور اس حدیث سے استدلال کیا ہے، جو ابو داؤد نے حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت اسماء حضور ﷺ کے پاس آئیں اور ان کے جسم پر باریک کپڑے تھے۔

دوسری ضروری شرط یہ ہے کہ کسی مرد کے ساتھ عورت کی تنہائی نہ ہو، یا عورتوں اور مردوں کا مخلوط ماحول نہ ہو، متعدد روایتوں میں رسول اللہ ﷺ نے غیر محرم مرد و عورت کے تخلیہ کو منع فرمایا ہے، چند روایتین یہاں ذکر کی جاتی ہیں:

عن عبد الله بن عمرو بن عاص ثم قام رسول الله ﷺ على المنبر فقال لا يدخلن رجل بعد يومي هذا على مغيبة إلا ومعه رجل أو اثنان (31)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا: آج کے اس دن کے بعد کوئی شخص ایسی عورت پر داخل نہ ہو جس کا شوہر موجود نہ ہو سوائے اس کے کہ اس کے ساتھ (کم سے کم) ایک یا دو مرد ہوں"

"حضرت عقبہ بن عامر ؓ سے مروی ہے:۔

أن رسول الله ﷺ قال إياكم والدخول على النساء فقال رجل من الأنصار يا رسول الله أفرأيت الحمو قال الحمو الموت (32)

کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگوں! عورتوں پر داخل ہونے سے بچو، انصار میں سے ایک صاحب نے عرض کیا: اللہ کے رسول! دیور کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دیور تو موت ہے (یعنی ااس کے ساتھ تنہائی تو اور زیادہ مناسب ہے)"

"حضرت جابرؓ سے روایت ہے:۔

قال رسول الله ﷺ ألا لا يبيتن رجل عند امرأة ثيب إلا أن يكون ناكحا أو ذا محرم (33)

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی مرد کسی شوہر دیدہ عورت کے پاس رات ہر گز نہ گذائے، سوائے اس کے کہ وہ اس کے نکاح میں ہو یا وہ اس کا رشتہ دار ہو۔

حضرت جابرؓ کی روایت میں خاص طور پر شوہر دیدہ عورت کے بارے میں ممانعت آئی ہے۔ لیکن یہ تخصیص اس وجہ سے ہے کہ کنواری لڑکی کے پاس عام طور پر لوگ جانے سے خود ہی احتیاط کرتے ہیں اور اس پر حیا کا غلبہ بھی ہوتا ہے، سوہر دیدہ عورت کے بارے میں فتنہ کا اندیشہ زیادہ ہوتا ہے: چنانچہ امام نوویؒ رقمطراز ہیں:

قال العلماء إنما خص الثيب لكونها التي يدخل اليها غالبا وأما البكر فمصونة متصونة في العادة مجانبة للرجال أشد مجانبة فلم يحتج إلى ذكرها ولأنه من باب التنبية لأنه اذا نهى عن الثيب التي يتساهل الناس في الدخول عليها في العادة فالبكر أولى (34)

> ''علماء نے کہا ہے کہ شوہر دیدہ عورت کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ عام طور پر مرد ایسی ہی عورتوں کے پاس جاتے ہیں، کنواری لڑکی عادۃ بچا کر رکھی جاتی ہے اور خود بھی بچ کر رہتی ہے اور مردوں سے بہت اجتناب برتتی ہے: لہذا اس کو تذکرہ میں شامل نہیں کیا گیا ہے اور اس لئے کہ اس سے مقصود تنبیہ ہے: اس لئے کہ جب شوہر دیدہ عورت سے منع کیا گیا تو کنواری لڑکی سے بدرجہ اولی ممانعت ہو گی''

عورت کو اپنی خلقی کمزوری کی وجہ سے ہمیشہ کسی ایسے مرد کی ضرورت پڑتی ہے، جو اس کی جان ومال اور عزت وآبرو کا محافظ ہو، جب تک وہ باپ کے گھر میں رہتی ہے، باپ اس کو محافظ ہوتا ہے اور نکاح کے بعد شوہر اس کا محافظ ہوتا ہے: اس لئے خواتین کے لئے گھریلو یا گھر سے باہر کی ملازمت اختیار کرنے میں باپ یا شوہر کی اجازت بنیادی اہمیت رکھتی ہے، اس سلسلہ میں درج ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں:

* عورت اپنے گھر میں ہی کسب معاش کی کوئی تدبیر کرے: لیکن اس کی یہ مشغولیت شوہر کے حق کو متاثر کرتی ہے۔
* عورت اپنے گھر ہی میں کسب معاش کی کوئی صورت اختیار کرے اور اس کی مشغولیت شوہر کے حقوق کی ادائیگی میں حارج نہ ہو:
* عورت کسبِ معاش کے لئے گھر سے باہر نکلے اور اس کا یہ نکلنا مجبوری کی بناء پر ہو۔
* عورت کسبِ معاش کے لئے گھر سے باہر نکلے، حالاں کی وہ والد یا شوہر اس کی تمام ضروریات کو پوری کرتے ہوں اور عورت کسب معاش پر مجبور ہو۔

پہلی صورت میں عورت کے لئے شوہر کی اجازت کے بغیر بھی کسب معاش کرنا جائز ہے: کیوں کہ نہ وہ گھر سے باہر نکل رہی ہے اور نہ اس کے عمل کی وجہ سے شوہر کا حق شوہری متاثر ہو رہا ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ عورت گھر ہی میں کام کرتی ہے، مگر اس کی مشغولیت شوہر کے حق کو متاثر کرتی ہے، تو شوہر کو منع کرنے کا حق حاصل ہو گا، ان دونوں ہی صورتوں کے سلسلہ میں علامہ ابن عابدین شامیؒ کی یہ صراحت بہت معقول اور چشم کشا ہے:

> بل له أن يمنعها من الأعمال كلها المقتضية للكسب لأنها مستغنية عنه لوجوب كفايتها عليه وكذا من العمل تبرعا لأجنبى بالأولى اه وقوله بالأولى ينافى قول الشارح ولو تبرعا لاقتضاء لو الوصيلة كون غير التبرع أولى وهو غير صحيح كذا قيل وقد يجاب بأن ما كان غير تبرع بل بالأجرة قد يستدعى خروجها لمطالبة الأجنبى بالأجرة تأمل قلت ثم إن قولهم له منعها من الغزل يشمل غزلها لنفسها فإن كانت العلة فيه السهر والتعب المنقص لجمالها فله منعها عما يؤدى إلى ذلك لا ما دونه وإن كانت العلة استغناءها عن الكسب كما مر ففيه أنها قد تحتاج إلى ما لا يلزم الزوج شراؤه لها والذى ينبغى تحويره أن يكون له منعها عن كل عمل يؤدى إلى تنقيص حقه أو ضرره أو إلى خروجها من بيته أما العمل الذى لا ضرر له فيه فلا وجه لمنعها عنه [35]

> ''بلکہ شوہر کو ایسے تمام افعال سے روکنے کا حق ہو گا، جو کسب معاش کے تقاضے سے کئے جاتے ہیں: اس لئے عورت اس سے مستغنی ہے: کیوں کہ اس کی ضرورتوں کی کفایت شوہر پر واجب ہے، میں کہتا ہوں: فقہاء کا یہ کہنا کہ شوہر عورت کو دھاگہ بننے سے بھی منع کر سکتا ہے تو یہ شامل ہے اس صورت کو جب عورت اپنے لئے بنے، تو اگر عورت کا اس کام کی وجہ سے رات میں جاگنا اور تھک جانا اور اس کے حسن و جمال میں کمی پیدا ہو جانا لازم آتا ہے، تو شوہر کو واقعی اس کام سے روکنے کا حق ہو گا، جو ان امور کا باعث ہے، اور اگر عورت کے ساتھ یہ عوارض پیش نہیں آتے ہیں تو شوہر کو روکنے کا حق نہیں ہو گا، اور اگر روکنے کی علت یہ ہو کہ وہ کمانے سے مستغنی ہے تو اس سلسلہ میں یہ بات قابل توجہ ہے کہ عورت کو کبھی ایسی چیز کے خریدنے کی حاجت دامن گیر ہوتی ہے جس کا خریدنا شوہر پر واجب نہیں، اور اس سلسلہ میں یہ بات منقع کر دینی چاہئے کہ شوہر کو ایسے عمل سے روکنے کا حق ہے، جس سے اس کا حق متاثر ہوتا ہو یا اس کو ضرر پہنچتا ہو یا عورت کو گھر سے نکلنا پڑتا ہو، اگر ایسا عمل ہو جس میں شوہر کو کوئی نقصان نہیں ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ شوہر بیوی کو اس سے منع کرے''

اگر عورت مجبور ہو، شوہر نفقہ ادا نہ کرتا ہو، یا وہ کسب معاش سے معذور ہو، یا مطلقہ اور بیوہ ہو اور والدہ وغیرہ کفالت نہ کرتے ہوں، تو اس صورت میں عورت شوہر کی اجازت کے بغیر بھی کسب معاش کے لئے شرعی حدود کے ساتھ گھر سے باہر نکل سکتی ہے: کیوں کہ فقہاء نے ضرورتاً شوہر کی اجازت کے بغیر بھی عورت کو باہر نکلنے کی اجازت دی ہے۔

4. مغربی معاشرتی نظام کے اثرات اور نقصانات

Rubya Mehdi مغربی معاشرتی نظام کے اثرات کے بارے میں لکھتی ہیں:

> " مغربی معاشرت بظاہر آزادی، مساوات اور جدیدیت کے دلکش نعروں کے ساتھ پیش کی جاتی ہے، لیکن عملی نتائج معاشرتی، اخلاقی اور خاندانی بنیادوں کو بری طرح متاثر کرتے ہیں۔ سب سے بڑا اثر خاندانی رشتوں کی کمزوری ہے۔ والدین، اولاد اور دیگر رشتہ داروں کے درمیان محبت، احترام اور قربانی جو اسلامی معاشرت میں موجود ہے، مغربی طرزِ زندگی میں رفتہ رفتہ ختم ہو رہی ہے۔ اولڈ ہاؤسز کا کلچر اس بات کا ثبوت ہے کہ والدین کو بوجھ سمجھا جاتا ہے اور خاندانی نظام اپنی بنیادوں سے کمزور ہو گیا ہے "۔[36]

اسی طرح اس نظام کا ایک اور نقصان اخلاقی اقدار کی تنزلی ہے۔ آزادی کے نام پر بے راہ روی، عریانی و فحاشی اور جنسی انتشار عام ہو گیا ہے، جس سے معاشرتی سکون متاثر ہوا اور نفسیاتی امراض، خودکشی اور ذہنی بے چینی کی شرح میں اضافہ ہوا۔ سرمایہ دارانہ سوچ نے انسان کو محض مادی مفادات تک محدود کر دیا ہے، جہاں رشتے، اقدار اور اخلاقیات منافع اور ذاتی لذت کے مقابلے میں ثانوی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔

مغربی معاشرت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ یہ انسان کو روحانی قدروں سے جدا کر دیتی ہے۔ خدا پر ایمان، مذہبی وابستگی اور آخرت کی فکر کمزور ہو کر محض دنیاوی لذتیں زندگی کا محور بن جاتی ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان بظاہر ترقی یافتہ لیکن

باطن سے خالی، تنہا اور غیر مطمئن رہ جاتا ہے۔ یہی وہ خلا ہے جو اسلام اپنی روحانی تعلیمات، عدل و انصاف پر مبنی نظام اور مضبوط خاندانی اقدار کے ذریعے پُر کرتا ہے۔"

خلاصہ بحث

اسلامی نقطۂ نظر سے عورت کی اصل عظمت اس کی عفت و عصمت اور کردار کی حفاظت میں ہے۔ جب عورت اپنی صلاحیتوں کو دینی اصولوں کے دائرے میں بروئے کار لاتی ہے تو وہ نہ صرف خود کفیل بنتی ہے بلکہ معاشرے کے لیے بھی باعثِ خیر ثابت ہوتی ہے۔ موجودہ دور میں تعلیم، ہنر، ٹیکنالوجی اور حلال روزگار کے وسیع مواقع خواتین کے معاشی استحکام کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ تاہم اس استحکام کو پائیدار بنانے کے لیے ضروری ہے کہ خواتین کو مساوی مواقع، منصفانہ معاوضہ اور باوقار سماجی مقام فراہم کیا جائے۔ اس تحقیق کا نتیجہ یہ ہے کہ خواتین کا معاشی استحکام صرف سماجی ضرورت ہی نہیں بلکہ ایک دینی تقاضا اور قومی خوشحالی کا ضامن ہے۔

تجاویز و سفارشات

* خواتین کی تعلیم کو ہر سطح پر لازمی اور معیاری بنایا جائے تاکہ وہ بہتر معاشی مواقع حاصل کر سکیں۔
* حکومت اور نجی ادارے خواتین کے لیے ہنر مندی اور ڈیجیٹل پلیٹ فارمز تک آسان رسائی فراہم کریں۔
* صنفی امتیاز اور تنخواہوں میں عدم مساوات ختم کرنے کے لیے مؤثر قانون سازی اور عمل درآمد یقینی بنایا جائے۔
* خواتین کے لیے مائیکرو فنانس اور اسلامی بنیادوں پر قرضوں کی سہولت فراہم کی جائے تاکہ وہ کاروبار میں داخل ہو سکیں۔
* معاشرتی رویوں میں تبدیلی کے لیے آگاہی مہمات چلائی جائیں تاکہ خواتین کو عزت، وقار اور انصاف کے ساتھ معاشرتی شمولیت حاصل ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

(1)Siddīqī, Muḥammad ‘Aṭā’ullāh, “Khātūn Khāna kā Mu‘āwaḍa,” *Māhnāma Khawātīn Magazine* 2, no. 4 (Lahore: Dawat-ul-Islami, 2021), 38.
(2)Al-A‘rāf, 7:4.
(3)Shafī‘, Muftī Muḥammad, *Ma‘ārif al-Qur’ān* (Karachi: Maktaba Ma‘ārif al-Qur’ān, 1441 AH/2020 CE), 2:313.
(4)Al-A‘rāf, 7:4.
(5)Al-Hūd, 11:4.
(6)Al-Hūd, 11:4.
(7)Al-Shawkānī, Muḥammad ibn ‘Alī ibn Muḥammad, *Nayl al-Awṭār min Asrār Muntaqā al-Akhbār* (Beirut: Dār Ibn Qayyim, 1422 AH/2001 CE), 7:154.
(8)Ibn Kathīr, ‘Imād al-Dīn Ismā‘īl ibn ‘Umar, *Tafsīr al-Qur’ān al-‘Aẓīm* (Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyya, 1422 AH/2001 CE), 1:457.
(9)Afiya Shehrbano Zia, Faith and Feminism in Pakistan (Lahore: SAP-PK, 2009), 112.
(10)Shaheed, Farida, *Great Ancestors: Women Asserting Rights in Muslim Contexts* (Lahore: Shirkat Gah, 2004), 87–90.

(11)Al-Bayhaqī, Abū Bakr ibn al-Ḥusayn ibn ʻAlī, *Al-Sunan al-Kubrā* (Beirut: Dār al-Kutub al-ʻIlmiyya, 1422 AH/2001 CE), ḥadīth no. 1475.
(12)Al-Bukhārī, Abū ʻAbd Allāh Muḥammad ibn Ismāʻīl, *Al-Jāmiʻ al-Ṣaḥīḥ* (Beirut: Dār al-Kutub al-ʻIlmiyya, 1421 AH/2000 CE), ḥadīth no. 2416.
(13)Al-Aḥzāb, 33:33.
(14)Al-Qaṣaṣ, 28:23.
(15)Al-Shaybānī, Muḥammad ibn al-Ḥasan, *Kitāb al-Kasb* (Aleppo: Maktab al-Maṭbūʻāt al-Islāmiyya, 1419 AH/1998 CE), 56.
(16)Al-Bukhārī, *Al-Jāmiʻ al-Ṣaḥīḥ*, ḥadīth no. 2882.
(17)Al-Qushayrī, Abū al-Ḥusayn Muslim ibn Ḥajjāj, *Ṣaḥīḥ Muslim* (Beirut: Dār al-Kutub al-ʻIlmiyya, 1421 AH/2000 CE), Kitāb al-Jihād wa al-Siyar, ḥadīth no. 1490.
(18)Muslim ibn Ḥajjāj, *Ṣaḥīḥ Muslim*, ḥadīth no. 3999.
(19)Al-Bukhārī, *Al-Jāmiʻ al-Ṣaḥīḥ*, Kitāb al-Dhabā'iḥ wa al-Ṣayd, ḥadīth no. 5505.
(20)Mabayyaḍ, Muḥammad Saʻīd, *Mawsūʻat Ḥayāt al-Ṣaḥābiyyāt* (Syria: Maktaba al-Ghazālī, 1410 AH/1990 CE), 1:51.
(21)Mabayyaḍ, *Mawsūʻat Ḥayāt al-Ṣaḥābiyyāt*, 1:53.
(22)Aḥmad ibn Ḥanbal, Abū ʻAbd Allāh, *Musnad Aḥmad* (Beirut: Dār al-Kutub al-ʻIlmiyya, 1420 AH/1999 CE), ḥadīth no. 16130.
(23)Al-Hindī, ʻAlā' al-Dīn ʻAlī al-Muttaqī ibn Ḥisām al-Dīn, *Kanz al-ʻUmmāl* (Beirut: Mu'assasat al-Risāla, 1421 AH/2000 CE), ḥadīth no. 1440.
(24)Al-Rūm, 30:24.
(25)Abū Dāwūd, Sulaymān ibn al-Ashʻath al-Sijistānī, *Sunan Abī Dāwūd* (Beirut: Dār al-Kutub al-ʻIlmiyya, 1422 AH/2001 CE), Kitāb al-Nikāḥ, ḥadīth no. 2082.
(26)Al-Ramlī, Shams al-Dīn Muḥammad ibn Aḥmad, *Nihāyat al-Muḥtāj ilā Sharḥ al-Minhāj* (Beirut: Dār al-Kutub al-ʻIlmiyya, 1412 AH/1991 CE), 1:86.
(27)Al-Ramlī, *Nihāyat al-Muḥtāj ilā Sharḥ al-Minhāj*, 1:87.
(28)Abū Dāwūd, *Sunan Abī Dāwūd*, Kitāb al-Libās, ḥadīth no. 1283.
(29)Al-Qur'ān, Luqmān, 31:24.
(30)Ibn Kathīr, ʻImād al-Dīn Ismāʻīl ibn ʻUmar, *Tafsīr Ibn Kathīr* (Beirut: Dār Iḥyā' al-Turāth al-ʻArabī, 1422 AH/2001 CE), 3:167.
(31)Muslim ibn Ḥajjāj, *Ṣaḥīḥ Muslim*, ḥadīth no. 2439.
)32(Muslim ibn Ḥajjāj, *Ṣaḥīḥ Muslim*, ḥadīth no. 2172.
(33)Muslim ibn Ḥajjāj, *Ṣaḥīḥ Muslim*, ḥadīth no. 2172.
(34)Al-Nawawī, Muḥyī al-Dīn, *Al-Majmūʻ Sharḥ al-Muhadhdhab* (Beirut: Dār al-Fikr, 1423 AH/2002 CE), 2:215.
(35)Ibn ʻĀbidīn, Muḥammad Amīn al-Shahīr, *Radd al-Muḥtār* (Beirut: Dār al-Kutub al-ʻIlmiyya, 1407 AH/1987 CE), 5:325.
(36)Mehdi, Rubya, *The Islamization of the Law in Pakistan* (London: Routledge, 1994), 221–224.